Safeeneh
A Research Journal of Persian
Language, Literature and Culture
No 13, 2015 pp 161-180

سفینه
مجلۀ تحقیقی در زمینۀ زبان ، ادبیات و فرهنگ فارسی
شمارۀ ۱۳ ، ۲۰۱۵ میلادی ،صص ۱۶۱ تا ۱۸۰

مولانا روم اور ان کے کلام سے متعلق تاریخ گوئی

پرفسور دکتر عراق رضا زیدی
رئیس گروه فارسی، جامعه ملیه اسلامیه
دهلی نو، هند

چکیده:

مولانا جلال الدین محمد بلخی یکی از معروفترین و محبوبترین شاعران فارسی است که نه تنها در ایران بلکه در آسیای میانه و شبه قاره نیز پیروان زیادی دارد. او را برجسته ترین سخنور عرفانی نیز شمرده اند. در مقالۀ حاضر نویسندۀ به معرفی مولانا، مثنوی معنوی، و بویژه به تاریخ گویی کلام وی پرداخته و اطلاعات ارزنده ای ارائه داده است.

واژه های کلیدی: مولانا جلال الدین محمد بلخی، مثنوی معنوی، شبه قاره، تاریخ گویی، بررسی.

فارسی ادب کا ارتقاء اسلام کی روشنی کے پس منظر میں نظر آتا ہے۔ اس کی ایک وجہ قبل از اسلام کے فارسی ادب کا مفقود ہونا بھی ہوسکتا ہے۔ ایران میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ عربی زبان کے اثرات بھی نمایاں ہوئے، لیکن عربی النسل حکمرانوں کے دور تک فارسی زبان کی طرف کسی نے نظر التفات نہ کی۔ مامون الرشید کو بادشاہ بنانے میں ایرانیوں نے اہم کردار ادا کیا، خصوصاً طاہر ذوالیمینین کی حکمت عملی اور سپہ سالاری میں ایک قلیل فوج نے کثیر عرب فوج پر فتح حاصل کی، جس کے نتیجے میں طاہریہ خاندان کی امارت مسلم ہوئی۔ یہیں سے فارسی زبان کا ارتقائی سفر شروع ہوا۔ ابھی تک عربی زبان کا دور دورہ تھا، اب جبکہ فارسی زبان نے پاؤں پھیلانا شروع کئے تو اس کے سامنے سوائے عربی زبان کے اتباع کے کوئی چارہ نہ تھا۔ گویا زبان اور اس کے الفاظ ایرانی تھے لیکن تخیل اور مضامین پر عربی کے گہرے اثرات مرتب ہورہے تھے۔ یہاں تک کہ اصناف سخن میں قصیدہ، غزل، قطعہ، ترجیع بند، مرثیہ وغیرہ کی فارسی میں وہی ہیئت قائم ہوئی جو عربی زبان و ادب میں مستعمل تھی۔ عرب حکمرانوں سے نجات اور عربی زبان سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ایرانی دانشوروں میں غیر شعوری طور پر یہ احساس بیدار ہونے لگا کہ عربی زبان کی اصناف سخن اور الفاظ سے نجات کی بھی کوئی صورت نکالی جانی چاہئے۔ سچ تو یہ ہے کہ صدیوں کی روایت کو ختم کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خود مسلمانوں کی آسمانی کتاب، درس زندگی کی شکل میں، عربی زبان میں نازل ہوئی تھی، لہٰذا اس زبان سے محبت، لگاؤ اور اس کا سیکھنا سکھانا دینی ضرورت بھی تھا۔ حدیث، فقہ و ادبیات کا تمام ذخیرہ اسی عربی زبان میں موجود تھا، پس اس لسانی آزادی میں وہ شدت پیدا نہ ہوسکی جو قومی و وطنی آزادی کے لئے کارگر ثابت ہوتی۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ عربی زبان کے الفاظ کا استعمال کم ہونے لگا اور اصناف سخن میں بھی فارسی نے اپنی تین اصناف ایجاد کیں جو عربی میں موجود نہ تھیں۔ لیکن ان میں سے دو اصناف کے نام عربی زبان کے تھے تو تیسری صنف عربی لفظ سے مرکب تھی۔ یہ اصناف تھیں رباعی، مثنوی اور تاریخ گوئی۔ فارسی شعرا نے ان تینوں اصناف پر بھرپور محنت کی جس کے نتیجے میں اس زبان کی دنیا بھر میں شہرت کا سہرا بھی انھی اصناف کے سر رہا۔ گوکہ فارسی کی مقبول ترین صنف غزل ہی ہے جس نے اردو زبان کو

بھی زندہ رکھا ہے، لیکن فارسی زبان کی پہچان مثنوی اور رباعی کے ذریعے ہی تمام عالم میں ہوئی۔

فارسی کے مثنویاتی شاہکاروں میں شاہنامہ فردوسی، اور مثنوی معنوی نے دنیا کی ہر زبان کے ادب اور ہر مذہب و ملت کے انسانوں کو متاثر کیا۔ ان میں سے بھی مثنوی معنوی نے دو قدم آگے بڑھا کر انسانیت کو سکون و راحت کے راستے دکھائے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں جب کہ مشینوں کے ساتھ کام کرتے کرتے خود انسان بھی مشین بن چکا ہے، اس کے پاس خود اپنے سکون کے لئے دو پل بھی نہیں، مال و زر کے لالچ نے انسانی اقدار کو اتنا زوال پذیر کردیا ہے کہ امریکا جیسے ترقی یافتہ ملک میں اس ذلالت کا سروے ہورہا ہے کہ کنواری یا بلوغت کی منزل پر قدم رکھ چکی دوشیزاؤوں میں ماں بننے کا رجحان کتنے فیصد کم یا زیادہ ہو چکا ہے۔ گویا کتنی فیصد عورتیں کنواری مائیں بن جاتی ہیں۔ اس مقالے میں تہذیبی گراوٹ پر اس سے زیادہ لکھنا نامناسب سا لگتا ہے، لیکن اس سے یہ ضرور ثابت ہوجاتا ہے کہ انسانی اقدار گر رہے ہیں تو حیوانی افعال بڑھ رہے ہیں، اور یہ سب کام ترقی کے نام پر انجام دیے جارہے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں اس گندگی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا اسلام سے ہی لوگوں کو بیزار کرنے کی سازشیں رچی جارہی ہیں۔ ان تمام سازشوں کے باوجود اسلام کی مضبوط روایت اور کشش عوام کو اپنی جانب متوجہ کررہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پر تنقید کرنے والے قرآنی افکار سے مرصع مثنوی معنوی کے افکار سے مانوس ہو رہے ہیں، گو کہ یہ ہاتھ گھما کر کان پکڑنے والی بات ہے۔ انسانی بیداری اور اس کی روح کو سکون دینے والی ''لے'' مثنوی معنوی کی ''نے'' میں پوشیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یونیسکو نے ۲۰۰۷ء کو مولانا روم سے منسوب کیا اور ان کا پیغام ہر جگہ عام کیا گیا۔ مثنوی معنوی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے فارسی کی اپنی ایجاد کردہ صنف سخن مثنوی میں ہے۔ تاریخ گوئی بھی فارسی کی اپنی ایجاد کردہ صنف سخن ہے، جو عربی کے حروفی نظام ابجد یا فن ''جمل'' پر مبنی ہے، لیکن عربی زبان میں اس صنف کا وجود مثنوی اور رباعی کی طرح مفقود ہے۔ فارسی کی اصناف رباعی اور تاریخ گوئی دونوں ہی دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں مشکل ہیں۔ رباعی اپنے مضامین اور خصوصاً ایک ہی بحر اور اس میں رائج ۲۴ اوزان کی بنا پر، تو تاریخ گوئی علم ریاضی سے وابستہ ہونے کی بنا پر۔ ایک ایک حرف کے نمبر شمار

کر کے جوڑنا پھر اسے کسی وزن میں موزوں کرنا ایک مشکل کام ہے۔ لیکن فارسی کے تاریخ گو شعرا نے اس مشکل صنف کو اسی طرح اپنایا ہے جس طرح رباعی یا مثنوی کو۔ یہی نہیں اس صنف نے غزل، قصیدہ، مرثیہ جیسے اصناف کو بھی متاثر کیا ہے۔ مثنوی کی طرح تاریخ گوئی بھی ابوشکور بلخی کے دور میں ہی اسی کی مثنوی آفرین نامہ میں نظر آتی ہے:

مر این داستان کش بگفت از نیال

ابر سی صد و سی و سه بود سال

یہ صوری تاریخ ہے جو آفرین نامہ کا ۳۳۳ھ میں لکھا جانا بتاتی ہے۔ تاریخ گوئی کی یہی ابتدا آہستہ آہستہ ترقی کے مراحل طے کرتی ہوئی صوری کے ساتھ معنوی تاریخ گوئی میں داد تحسین حاصل کرتی ہوئی تدخلہ، تخرجہ کی منزل میں داخل ہو کر شاعری سے متعلق تمام حسن و خوبیوں سے مرصع ہونے کے علاوہ، علم بیان، صنایع بدایع اور اسی طرح کے کچھ دوسری خوبیوں سے پرلوازمات کے ساتھ پہلی بار حافظ کے دیوان کی باقاعدہ زینت بن کر قصیدہ سے زیادہ انعام و اکرام کی طالب ہوتی ہے۔ تاریخ گوئی سے متعلق تمام معلومات راقم کی کتاب ''فارسی میں تاریخ گوئی کی راویت'' سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ صنف تاریخ گوئی کا مکمل عہد شباب ایران میں صفوی اور ہندوستان میں مغلیہ دور میں دیکھا جاسکتا ہے، جہاں بات بات پر تاریخ موزوں کرنے کا رواج عام ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں فن تاریخ گوئی کی اہمیت اور روایت کو مستحکم کرنے میں درباروں کے علاوہ مطبع کا بھی اہم کردار رہا ہے جنھوں نے ہر کتاب کی اشاعت پر اس سے متعلق تاریخی قطعات موزوں کروا کر کتاب کے آخر یا شروع میں دستاویز کی شکل میں شائع کیے۔ مولانا روم کے عہد تک معنوی تاریخ کے مکمل خدوخال نمایاں نہیں ہوسکے تھے، البتہ ۵۵۱ ھ میں خاقانی نے اپنے ایک قصیدے میں حروف کے جداگانہ اعداد ضرور شمار کر لیے تھے:

در سنه ثا، نون، الف به حضرت موصل

راندم ثا، نون، الف سزای صفاهان

اس طرح سعدی کی تاریخ وفات ٦۹۱ھ خ، ص اور الف سے موزوں کی گئی تھی جسے بعد

میں لفظ ''خاص'' سے ظاہر کیا گیا۔ مولانا روم کی وفات انھیں دونوں سنوں کے درمیان ۶۷۲ھ میں ہوتی ہے۔ مولانا نے اپنی زندگی کے آخری عشروں میں مثنوی معنوی کو موزوں کیا تھا۔ اس مثنوی کے چھ دفتروں میں سے صرف دوسرے دفتر میں تاریخ گوئی کا حوالہ نظر آتا ہے۔ باقی پانچ دفتروں میں کوئی اشارہ نہیں ملتا، اس کی بھی ایک وجہ مولانا نے دوسرے دفتر کو کافی تاخیر سے موزوں کرنا بتایا ہے:

چون ز دریا سوی ساحل باز گشت　　　چنگ شعر مثنوی با ساز گشت

مطلع تاریخ این سودا و سود　　　سال هجرت ششصد و شصت و دو بود

مندرجہ بالا شعر کی روشنی میں دفتر دوم کا آغاز ۶۶۲ھ میں ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اس شعر سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ مولانا اس وقت کے تاریخ گوئی کے صوری نظام سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس شعر کا اردو ترجمہ مولوی فیروز الدین کی مرتبہ الہام منظوم، ترجمہ اردو مثنوی مولانا روم دفتر دوم ۱۳۴۷ھ بمطابق ۱۹۲۸ء میں اس طرح ملتا ہے:

مطلع تاریخ اس ترتیب کا　　　چھ سو باسٹھ سال ہجری ہوگیا

مولانا کی وفات ۶۷۲ھ میں ہوئی، جن کا قطعہ تاریخ وفات ایک مدت کے بعد علمی نظمی نے موزوں کیا، جسے ''دویست سخنور تذکرہ منظوم و منثور'' میں مندرجہ ذیل عنوان کے تحت شائع کیا گیا:

تاریخ وفات مولوی بلخی

بس دلاویز است نای مولوی
نغمہ گوش آشنای مولوی
در سرش پنهان چه شوری بوده است
کس نداند، جز خدای مولوی
هیچکس را عشق ارزانی نداشت
دولت بی منتهای مولوی
مثنوی را گر نسنجد سالها

کس نداند مدعای مولوی

شمس را نازم که در سیر و سلوك

بود پیر و رهنمای مولوی

سال فوتش را اگر جوید کسی

گو "دلاویز است نای مولوی"

٦٧٢ھ

مندرجہ بالا قطعہ تاریخ کے آخری مصرع میں گو یعنی کہہ دو کے اعلان کے بعد ''دلاویز است نای مولوی'' سے ٦٧٢ عدد حاصل ہوتے ہیں جو سال وفات مولانا روم ہے۔ اس صنعت معنوی سے مسجع مصرع میں ''نای'' کو مرکزیت عطا کی گئی ہے۔ یہ وہی ''نی'' ہے جو مثنوی معنوی کی تمہید یا پیش خیمہ ہے اور استعارے کی شکل میں مولانا کی روح کی طرح تڑپتی رہتی ہے جسے اس تڑپ نے ایسا دلاویز بنایا کہ مولانا اپنی اصل کی طرف یہ کہتے ہوئے واپس ہوگئے:

هر کسی کو دور ماند از اصل خویش

باز جوید روزگار وصل خویش

اور مولانا اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر کے وصل اصل سے مشرف ہوگئے۔ یہ معنوی تاریخ کے جوہر تھے تو صوری میں مولانا کی وفات کی تاریخ اس طرح موزوں کی گئی:

چون جلال الدین وصل اصل یافت

ششصد و هفتاد و دو رومی شتافت

گویا جب مولانا جلال الدین رومی نے اصل سے وصل پالیا تو وہ چھ سو بہتر ہجری میں روشن ہوگئے اس طرح اندھیری دنیا سے اجالے کی دنیا (عقبیٰ) کی طرف پلٹ گئے۔

ہندوستان میں تاریخ گوئی کا رواج ایران سے کچھ زیادہ ہی پھلا پھولا، جس کی واضح مثال ایرانی کتابوں کی اشاعت پر تاریخی قطعات کا مفقود ہونا ہے، جبکہ ہندوستان میں شائع ہونے والی کتابوں میں فن تاریخ گوئی کی عروج کی داستان نظر آتی ہے۔ یوں بھی ہندوستان میں ١٤ ویں

صدی ہجری تک ایران سے زیادہ فارسی کتابیں شائع ہونے کا رواج رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہنامہ فردوسی کی بھی پہلی بار اشاعت ہندوستان میں ہی ہوئی تھی۔ مثنوی مولانا روم کے بھی کتنے ہی ایڈیشن ہندوستان میں شائع ہوئے ہیں۔ صرف اصل مثنوی کے ایڈیشن ہی کیا، نہ جانے کتنے ترجمے اور شرحیں بھی اردو نظم و نثر میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے اکثر پر قطعات تاریخ اشاعت تحریر کئے گئے ہیں، اس مختصر مقالے میں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ مثنوی معنوی کا ایک ایڈیشن محمد عبدالحمید کے زیر اہتمام مطبع مجیدی واقع کانپور میں الگ الگ دفتروں کی شکل میں شائع کیا گیا۔ جس سلسلے کا پہلا دفتر ۱۲۰۳ھ میں ''دفتر اول مثنوی شریف'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس پر عربی کا مندرجہ ذیل شعر درج ہے:

قدتم الدفتر الثالث من الکتاب

المثنوی المعنوی للمولوی المعنوی

۱۲۰۳ھ

مصرع ثانی سے ۱۲۰۳ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔ پھر یہی مثنوی ۱۲۰۷ھ میں ''در مطبع نامی واقع کانپور مطبوع گردید'' کی عبارت کے ساتھ آخری صفحہ پر مندرجہ بالا شعر کے ساتھ ہی جو اس کتاب کے آخری صفحہ پر درج ہے، شائع ہوئی جس پر تاریخ کا کوئی مصرع موزوں نہیں ملتا۔ لیکن ۱۸۶۵ء میں یہی مثنوی معنوی جب نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع کی گئی تو اس پر طباعت کی تاریخ اس طرح موزوں کی گئی:

طبع شد چو خاتمہ موجد صفا نہاد

گفت سال عیسوی "خاتمہ بخیر باد"

۱۸۶۵ء

دوسرے مصرع کے آخری جز ''خاتمہ بخیر باد'' سے ۱۸۶۵ عدد حاصل ہوتے ہیں۔ جس کے لئے اس مصرع میں ''گفت سال عیسوی'' سے اشارہ بھی ملتا ہے۔ گویا اس مثنوی کی طباعت کا مرحلہ بخیر و خوبی سر ہو گیا۔

مثنوی معنوی کا ایک اور ایڈیشن ۱۲۸۲ھ بمطابق ۱۸٦٦ء میں نولکشور پریس سے شائع ہوا جس کے سرورق پر مندرجہ ذیل عبارت منقش ہے۔ سرورق کو چاروں طرف سے ایک بیل کی شکل میں پھولوں سے سجایا گیا ہے۔ پھر درمیان میں چاروں طرف حاشیہ بنا کر سب سے اوپر عربی میں کلام پاک کی ایک آیت:

”الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون“

لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد ایک اور خانہ بنا کر

”یعون اللّٰہ العالم الوحید کتاب مستطاب مثبت توحید مصداق این تبجیل“

تحریر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ایک اور تیسرا خانہ بنا کر اس کے دو حصے کر کے درمیان میں جگہ چھوڑ کر دونوں حصوں میں ایک مصرع اس طرح تحریر کیا گیا ہے:

گر ز سرِّ معرفت آگہ شوی

لفظ بگذاری سویِ معنی روی

پھر ایک چوتھا خانہ بنا کر اس کے دونوں جانب جگہ چھوڑ کر بیچ میں مندرجہ ذیل مصرع تحریر ہے:

از نی کلك این حکایت بشنوی

بعدۂ ایک بڑے خانے میں جلی حروف سے ”مثنوی مولوی معنوی“ تحریر ہے، جس کے نیچے ایک مختصر سا خانہ بنا کر اس کے بیچ نہایت مختصر ”دفتر اول“ لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد پھر ایک خانہ بنا کر اس کے درمیان میں مصرع ”ہست قرآن در زبان پھلوی“ درج ہے۔ پھر ایک اور خانہ بنا کر جامی کا دوسرا شعر درمیان میں مختصر جگہ چھوڑ کر دونوں طرف لکھا گیا ہے:

من چہ گویم وصف آن عالی جناب

نیست پیغمبر ولی دارد کتاب

اسی شعر کے نیچے ”از تصنیفات حضرت محی الدین مخدومی مولانا جلال الدین رومی سزاوار چنین تفصیل“ درج ہے۔ آخری خانے میں پھر خاصے جلی حروف میں ”در مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ حلیہ طبع پوشید“ تحریر ہے اسی طباعت کے آخری صفحات نمبر ۱۴٦، ۱۴۷، ۱۴۸ اور ۱۴۹ پر جداگانہ شعرا

کے قطعات تاریخ طباعت مثنوی تحریر کیے گئے ہیں۔ پہلا قطعہ منشی شرف علی کا ہے جسے مندرجہ ذیل عنوان سے نوازا گیا ہے:

قطعہ تاریخ مطبوعہ سابقہ نتیجہ فکر خوشنویس عدیم المثال شاعر معجز مقال صاحب خیالات الطف منشی اشرف علی اشرف رحمہ اللہ۔

کلام مولوی روم شد طبع — کہ هست آن مظهر اسرار کونین

برای سال طبعش کلك اشرف — نوشته "دفتر اسرار کونین"

۱۲۸۲ھ

آخری مصرعہ میں نوشتہ یعنی لکھ دیا گیا، ''دفتر اسرار کونین'' یہ جملہ مثنوی معنوی کی مکمل معرفت بھی ہے کہ یہ مثنوی کیا ہے؟ کائنات کے رازوں کا دفتر ہے۔ اتنے مختصر الفاظ میں اس مثنوی کی وضاحت اس سے بہتر ہونا مشکل ہے۔ پھر سونے پر سہاگا یہ کہ انھیں تین الفاظ سے ۱۲۸۲ھ تاریخ بھی موزوں ہوجاتی ہے، اور وہ بھی صنعت معنوی سالم میں۔

دوسرا قطعہ تاریخ طباعت مندرجہ ذیل شایان' صاحب کا ہے۔

''ایضاً طبعزاد شاعر شیوہ زبان طوطی گلزار هندوستان منشی طوطا رام مرحوم متخلص به شایان''

حبذا عرفان مولانای رومی با خدا
حق نما و حق پرست و حق شناس و پیشوا
در لباس نظم شیرین فی الحقیقت زد رقم
رمز قرآن و حدیث آن رهنمای بیش و کم
این کلام کامل و خضر طریق کاملان
طبع شد در مطبع منشی عالی دودمان
بهر سالش زد رقم شایان چنین مصراع تر
مثنوی مولوی معنوی راهبر

۱۲۸۲ھ

انیسویں صدی کے ہندوستان میں مرزا غالب کے عزیز شاگرد ہرگوپال تفتہ تنہا ایسے شاعر ہیں جنھوں نے صرف فارسی میں شاعری کی ہے، ورنہ اس دور کے سبھی شاعروں نے اردو کے ساتھ فارسی میں شعر کہے ہیں۔ تفتہ نے غزل کے پانچ دیوان چھوڑے ہیں۔ وہ فن تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ مندرجہ بالا مثنوی کی اشاعت پر موصوف نے بھی اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ چنانچہ ۱۴۶اص پر ان کا موزوں کیا ہوا قطعہ تاریخ اس طرح درج ہے:

''ایضا'' نتیجہ فکر شاعر پختہ کلام اوج سخن را ماہ دو ہفتہ منشی ہرگوپال متخلص بہ تفتہ تلمیذ رشید مولانا غالب؄ ''

طبع شد آن نسخہ کو راھنما شد مرا
دیدن آن شد دگر کامروای دلم
آئینہ از فیض او شد ھمہ تن گوئیا
دید توان این زمان صدق و صفای دلم
از سبب آن کہ شد این ھمہ دولت نصیب
در حق او ھر زمان باد و دعای دلم
الغرض سال طبع تفتہ ھمین زد رقم
مثنوی مولوی عقدہ کشای دلم

۱۲۸۲ھ

مندرجہ بالا قطعہ تاریخ میں فکر رومی کے اثرات واضح کرتے ہوئے ان کے حق میں دعا کی گئی ہے اور مصرع تاریخ کی خوبی یہ ہے کہ مثنوی معنوی مرے دل کے تمام عقدوں، مشکلوں یا شکوک کو حل کرنے میں معاون ہے۔ بحر رجز مطوی و مرفوع میں پانچ الفاظ کے ذریعے اس میں سے بھی دو لفظ ''مثنوی مولوی'' ہیں جو ''عقدہ کشای دلم'' مرے دل کی عقدہ کشا ہے۔ نہایت موزوں اور برجستہ مصرعہ جس سے سال طباعت ۱۲۸۲ھ عیاں ہوتی ہے۔

چوتھا قطعہ تاریخ منشی خیالی رام کا موزوں کیا ہوا ہے جو مندرجہ ذیل طور پر درج ہے:

"ایضاً نتیجۂ فکر نا ثر رنگین کلام منشی خیالی رام
متخلص به خیالی شاگرد رشید مولوی احسان اللّٰه
ممتاز غفر اللّٰه"

در زمان نیك و آن خوب و هنگام سعید
مثنوی مولوی معنوی مرفوع شد
خوش خیالی راه کج بگذاشت بهرسال راست
مثنوی مولوی معنوی مطبوع شد
=۱۲۹۵-۲۳

۱۲۸۲ھ ۱۲۹۵

یہ تاریخ صنعت تخرجہ میں موزوں کی گئی ہے۔ اصل چوتھے مصرع کے الفاظ سے بہ حساب ابجد بارہ سو پچانوے اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ جو مطبوعہ سال سے (۲۳) تیئس عدد زیادہ ہیں لہٰذا پہلے مصرع میں ''کج'' بگذاشت کی سفارش کی گئی ہے 'کج' کے عدد۲۳ ہوتے ہیں اس طرح ۱۲۹۵ میں سے۲۳ نفی کردینے پر۱۲۸۲ھ کے اعداد موصول ہوجاتے ہیں۔ یہ دشواری اس لئے پیش آتی ہے کہ شاعر اپنے مکمل جملے کو بدلنا نہیں چاہتا جس سے واقعہ کی نوعیت پوری طرح واضح ہوتی ہے۔ کہ مثنوی مولوی معنوی مطبوع ہوگئی، لہٰذا پہلے مصرع میں اس کا اشارہ کردیا گیا۔ اس مصرع کو بھی کج کے ساتھ راست کا استعمال کر کے صنعت تضاد سے مرصع کردیا گیا۔ اس قطعہ تاریخ میں دیگر قطعات کی مانند فکر مثنوی پر تبصرہ نہیں کیا گیا ہے۔ صرف اس کے شائع ہونے اور اس کے بنا پر وقت کی خوبی کو بیان کیا گیا ہے۔ شاعر نے تجربہ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ایک اور قطعہ تاریخ سالم صنعت معنوں میں بھی موزوں کیا۔ اس قطعہ میں بھی طباعت اور وقت کی تعریف ہے۔ مثنوی پر کوئی تبصرہ نہیں ہے صرف ''مرغوب دل'' سے تاریخ حاصل کی گئی ہے۔ جس سے خود بخود تشریح ہوجاتی ہے:

مثنوی مولوی روم شد مطبوع طبع
اهل مطبع را طبیعت بهر طبعش شامل است
در زمان نیك و وقت خوش خیالی مصر مصر
از عرب مسموع شد تاریخ "مرغوب دل" است
- ۱۲۸۲ -

مندرجہ بالا قطعہ میں مثنوی کو 'مرغوب دل' کہ کر انھیں دو الفاظ سے تاریخ نکال کر قطعہ کو موزوں کیا گیا ہے مکمل مصرع سے تاریخ نکالنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ بنا وزن یا بحر کے چند الفاظ سے تاریخ حاصل کرنا در اصل تاریخ گوئی کے ابتدائی دور کی یاد دلاتا ہے جو انیسویں صدی میں نیک خیال نہیں کیا جاتا۔ بہر حال الفاظ کے اعداد کی جستجو اپنی جگہ مسلم ہے۔ عرب کی مناسبت سے مصر مصر کا استعمال مصرع کی خوبصورتی میں اضافہ کا باعث ہے، جس سے مقصود شہر شہر یعنی تمام دنیا ہے۔

چھٹا قطعہ تاریخ ساقی کا تحریر کردہ ہے۔ جس کا آغاز مندرجہ ذیل عنوان کے تحت کیا گیا ہے:

"ایضاً طبعزاد شاعر معرفت آگاه تصوف دستگاه محو عشق الله باقی شیخ محسن علی متخلص به ساقی.

من نیم ساقی فقط مست و خراب از عشق او
هر چه بینی در جهان سر در شراب از عشق او
چرخ در گرداب حیرت چون حباب از عشق او
موج طوفان خیز و دامان سحاب از عشق او
گر گریبان چاك گشته گل به گلزار جهان
زلف سنبل نیز دارد پیچ و تاب از عشق او
در فراق او نه تنها ماه شد شب زنده دار
چون شفق در خون نشسته آفتاب از عشق او
نی فقط فریاد نی دارد بساز نغمه اش
پوست برتن می درد چنگ و رباب از عشق او

والــه و شــوریـده از خـود رفتـه و مسـت الست
عــاشــق دیـوانـه را بـاشـد خـطـاب از عشـق او

چـرخ سـر گـردان زمیـن او فـرط حیـرت در سکون
در تـب و تـاب انـد مـاه و آفتـاب از عشـق او

میـکـده گـردیـده ام از جـوش صهبـای غـمـش
اخـگـری در پهـلـوم بـا دل کبـاب از عشـق او

از مـقـامـاتـی کـه مـی گـویـم بـه استعداد خود
هـر یـکـی هـم گـفتـه دارد صد کتـاب از عشـق او

فـی الـحـقیـقـت مثـنوی مـولـوی مـعـنـوی
میـکـده آراستـه بـا آب و تـاب از عشـق او

بیـت بتیـش لـفـظ لـفـظـش شیشـه و سـاغـر بود
بهـر رنـدان حـقیـقـت چـون شـراب از عشـق او

هـر کـه بیـنـد ایـن مـی کهـنـه نشـاط نـو کـنـد
دائـمـا بـاشـد ز مستـی شیـخ و شـاب از عشق او

سـوی ایـن میـکـش سـوال حسـن خـود ار نـی بود
لـن تـرانیهـا بـر آیـد در جـواب از عشـق او

ایـن مـی کهـنـه چـو از نـودر خـم مـطبـع رسیـد
گـر چـه پیـرم بـاز شـد جـوش شبـاب از عشـق او

بـا کـمـال جـذب در مـنـقـوط گـفتـم سـال طبع
مثـنـوی مـولـوی جـام شـراب از عشـق او

– ۱۲۸۲ھ –

مندرجہ بالا قطعہ تاریخ میں شاعر نے صنعت منقوطہ کا استعمال کر کے اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ آخری شعر کے پہلے مصرع میں اس راز کی نشاندہی اس طرح کی گئی ہے:

بـا کـمـال جـذب در مـنـقـوط گـفـتـم سـال طبع

اس اشارے کے بعد دوسرے مصرع کے تمام الفاظ کے صرف منقوط یعنی نقطے دار حروف کے اعداد شمار کر کے تاریخ حاصل کی گئی ہے۔ مصرع ہے: ''مثنوی مولوی جام شراب از عشق او''

اس مصرعہ کے نقطہ دار حروف ث+ن+ ی+ی+ ج+ش+ ب+ ز+ش+ ق+ کے اعداد کو جمع کر کے ۱۲۸۲ھ بر آمد ہوتی ہے :

+۷+۲ +۳۰۰ +۳+۱۰+۱۰ +۵۰ +۵۰۰

۱۲۸۲= +۱۰۰ +۳۰۰

تاریخ مصرع کی اس خوبی کے علاوہ قطعہ کی ردیف ''از عشق او'' خود مثنوی کے مضامین کی عکاس ہے۔ اس کے علاوہ مثنوی کی بہت سی خوبیاں اس قطعہ کے اشعار سے نمایاں ہیں۔ مثلاً:

فـی الـحـقـیـقـت مثـنـوی مـولـوی مـعـنـوی

میـکـده آراستـــه بـــا آب و تـــاب از عشـق او

بیــت بیتـــش لـفـظ لـفـظـش شیشـه و سـاغـر بود

بهــر رنـدان حـقـیـقـت چـون شـراب از عشـق او

ساتواں قطعہ تاریخ نسیم دہلوی کا ہے، جسے مندرجہ ذیل عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے:

"ایضاً من افادات همپا یه قدسی و کلیم مرزا اصغر علی خان متخلص به نسیم دهلوی"

چـو کردم راست این نخل هزج از شاخ و برگ و بُن

بـگـفـتـم چـار بـار ای دل بـه یك مـصـرع مفاعیلن

نـمـودم از ثـنـــای مـنشــی ذیجـاه آغــازش

کشــودم بهــر ســامـع بـعـد آن هـر عـقـدهٔ رازش

بیـــا ای خـــاطـر مشتـــاق سـر کـن داستـانـی را

کـه دارم زیـر پـا در شـوق پـا بوسـش جهـانـی را

دل دارم کـه مـصـروف کـمـال و فیض و اوصافش

اسیر دام و لطف و محو رمز خاطر صافش

به همت بر سر مخلوق هر دم بار احسانش

ندیدم در جهان ذاتی نباشد آن که مهمانش

ضمیرش صورت آئینه شکل اند و مطلبها

هوس در خواب راحت از خیال جنبش لبها

درین هنگام طبع مثنوی عارف کامل

که نامش مولوی روم و فیضش صیقل هر دل

به خاطر جا گزین گردید و آسان گشت انجامش

چو جستم مصرعه تاریخ بهر فکر آزادش

اجازت شد به ما از بهر سال طبع و اتمامش

نوشتم "ای ولی بود جان قربان ارشادش"

۱۲۸۲ھ

مثنوی کے پیرایہ میں تحریر کردہ مندرجہ بالا تاریخ کے آخری مصرع سے 'نوشتم' جدا کر کے:

ای ولی بود جان قربان ارشادش

کے اعداد شمار کرنے سے مثنوی کے شائع ہونے کا سال ۱۲۸۲ھ قرار پاتا ہے۔ مصرع بامعنی مولانا کی شخصیت اور مثنوی کی جامعیت کو نظر میں رکھ کر موزوں کیا گیا ہے۔ تاریخ کے دیگر مصرعوں سے بھی مثنوی اور اس کے مضامین پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

نسیم صاحب نے ہی ایک دوسری تاریخ عیسوی سنہ میں بھی موزوں کی ہے:

به حکم منشی عالی جنابی

به طبع آمد کلام لاجوابی

کلامی آنکه مثلش در جهان نیست

به اوج هر زمین و آسمان نیست

پی تاریخ ایمائی به ما شد

بــــہ ســــال عیســوی دل آشــنــا شــد
چــنـــان مــصـــراع نــو زیــب زبـــان کـــرد
حـــدیـــث از عشــق حــق عـــاشــق بیـــان کـــرد

۱۸٦٦ھ

غالبًا دوسرا مصرعہ تاریخ نکالنے کی وجہ ہجری کے ساتھ عیسوی سال کا نمایاں کرنا مقصود تھا۔ لیکن مصرع کی جامعیت او رتعریف بیان سے باہر ہے کہ:

حدیث از عشق حق عاشق بیان کرد

مندرجہ بالا مصرع میں مثنوی معنوی کے اصل مفہوم کی روح در آئی ہے۔ گومکمل مثنوی کے سمندر کو کوزہ میں سمانے کے مترادف کردیا ہے۔ اس مصرع سے عیسوی سنہ ۱۸۶۶ء برآمد ہوتی ہے، جو۱۲۸۲ھ کے مطابق ہے اس تاریخ مثنوی کا دوسرا شعر بھی مثنوی کے تعریف میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ آخری میں صرف ایک شعر منشی کالکا پرشاد موؔجد کا تحریر کیا گیا ہے:

طبـع شـد چـو خـاتـمـہ مـوجد صفـا نہـاد
گـفـت ســال عیسـوی ’خـاتـمـہ بخیـر بـاد‘

۱۸۶۵ء

’’خاتمہ بخیر باد‘ سے ۱۸۶۵ء حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ نسیم صاحب نے ۱۸۶۶ کا مصرعہ برآمد کیا تھا۔ ممکن ہے دسمبر ۱۸۶۵ء سے جنوری ۱۸۶۶ء تک اشاعت کا کام جاری رہا ہو اور یہ دونوں عیسوی سال اپنی اپنی جگہ مسلم ہوں، اس تاریخی مصرع کے بعد دوصفحات میں تقریظ تحریر کی گئی ہے، اور جہاں کتاب کلی طور پر ختم ہوتی ہے وہاں مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ درج ہے:

مثنوی مولوی چون طبع شد
باکمال فضل قیوم و قوی
سال طبعش خامه من زد رقم
منطبع شد مونس جان مثنوی

۱۲۹۱ھ

یہ تاریخ مثنوی کے کسی دوسرے ایڈیشن جو اصل مثنوی کے نو سال بعد شائع کی گئی ہے۔ اس کی رونق بڑھانے اور سال اشاعت کے لئے تحریر کی گئی ہے گویا دوبارہ یہ مثنوی ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوئی۔ یا اس مثنوی کا ایک ایڈیشن ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوا۔

مثنوی معنوی کا ایک ترجمہ مطبع معین الاسلام واقع اجمیر میں اشاعت کے منزلوں سے گزرا تو اس کی اشاعت کے لئے ایک قطعہ اردو زبان میں تحریر کیا گیا ہے جس کا آخری شعر مندرجہ ذیل ہے، جس سے اشاعت کا سال ۱۳۱۱ھ بر آمد ہوتا ہے:

''سنہ مثنوی شریف'' اس سے بہتر　　　یہ دے اس کی ''تاریخ میں'' شعر لکھ کر

۱۳۱۱ھ　　　۱۳۱۱ھ

مندرجہ بالا شعر کے پہلے مصرعے کے دو الفاظ ''تاریخ میں'' کے اعداد شمار کرنے پر ۱۳۱۱ھ بر آمد ہوتی ہے، اس طرح دوسرے مصرع کے پہلے جز ''سنہ مثنوی شریف'' سے سال اشاعت ۱۳۱۱ھ بر آمد ہوتا ہے۔ یہ ترجمہ منشی عبد الرحیم خاں صاحب رحیم رئیس عظیم آباد کا کیا ہوا ہے جو مرزا غالب کے شاگرد تھے۔

مثنوی مولانا روم کا ایک اور ترجمہ ۱۳۰۹ھ میں ''بوستان معرفت'' کے نام سے شائع ہوا۔ بوستان معرفت اس ترجمہ کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۳۰۹ عدد حاصل ہوتے ہیں۔ یہ ترجمہ بوستان معرفت شرح اردو مثنوی مولوی روم تالیف شرح جناب مولوی عبد المجید خاں صاحب کا لکھا ہوا ہے، جو منشی نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ اس ترجمے کا دوسرا دفتر ۱۳۱۰ھ میں نولکشور پریس سے شائع ہوا جس کے ص ۲۸۷ پر مندرجہ ذیل تاریخ موزوں کر کے درج کی گئی ہے:

نام بھی میرا تو ہے عبد المجید　　　پھر عجب کیا تجھ سے اے رب مجید
اب مجھے اک عرض کرنا ہے ضرور　　　ناظرینوں شائقینوں کے حضور
اک معز اللہ خاں میرا عزیز　　　ہے عزیز و دلپذیر و باتمیز
پہلا دفتر تیرہ سو نو میں ہوا　　　اور یہ تیرہ سو دس میں ہے لکھا
میں لکھوں تاریخ اس کی بر ملا　　　یعنی ''یہ ہے گلشن فیض ہدا''

۱۳۱۰ھ

مندرجہ بالا نظم میں صوری اور معنوی دونوں تاریخیں درج ہیں۔ تیرہ سونو اور تیرہ سودس کی صوری تاریخیں ہیں تو ''یہ ہے فیض ہدا'' سے معنوی تاریخ اس کے الفاظ کے اعداد سے ۱۳۱۰ھ حاصل ہوتی ہے، شمار کر کے مثنوی معنوی کے مذکورہ ترجمے کا چوتھا دفتر اگست ۱۹۱۴ء مطابق رمضان ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوا، پھر پانچواں دفتر بھی چوتھے دفتر کے ساتھ مندرجہ بالا تاریخ و سال میں ہی شائع ہوگیا۔ ان دونوں جلدوں کی اشاعت پر کوئی تاریخ رقم نہیں کی گئی، لیکن جب چھٹا دفتر ستمبر ۱۹۱۴ء مطابق شوال ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوا تھا تو اس کے ص ۳۸۸ پر مندرجہ ذیل صوری تاریخ تحریر کی گئی ہے:

تیرہ سو بارہ صفر میں اے ہمام

ہو گیا یہ دفتر سادس تمام

مثنوی معنوی کی ایک شرح ''شجرہ معرفت'' کے نام سے ۱۲۹۸ھ میں نولکشور پریس سے ہی شائع ہوئی جو اس شرح کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۹۸ھ برآمد ہوتی ہے۔ اسی نام کو مندرجہ ذیل عنوان کے ساتھ ایک قطعہ میں پرو دیا گیا ہے:

بہ فضل خدای جهان آفرین شد این ترجمه ختم بالعافیت

پی نام تاریخی آن شدم بگفتاد خرد "شجره معرفت"

۱۲۹۸ھ

یہ ترجمہ مولوی غلام حیدر صاحب رئیس قصبہ گوپامو نے نظم کی شکل میں تحریر کر کے مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپوایا جس کا مطلع اس طرح ہے؛

نی سے کیا حمد الٰہی ہو بیاں کیا بتائے وہ نشان بے نشاں

مثنوی معنوی کے چھٹے دفتر کا ایک ترجمہ'' پیراہن یوسفی ترجمہ دفتر ششم مثنوی مولوی معنوی'' کے عنوان سے مولوی محمد یوسف علی شاہ گلشن آبادی نے منشی نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع کیا، جس کے ص ۳۴۱ پر منشی بھگوان دیال عاقل نے تاریخ موزوں کر کے اس کتاب کی زینت میں اضافہ کیا ہے:

گشت شایع از عنایات خدا بار ششم

ترجمان مثنوی مولوی معنوی

کلك عاقل مصرع تاریخ هجری زد رقم

طبع شد قرآن مزیب در زبان پارسی

-۱۳۳۲ھ-

یہ مصرعہ مکمل اور واقعے کو پوری طرح بیان کرنے والا ہے۔ اسی اشاعت کے لئے ایک اور مندرجہ ذیل تاریخ مولوی حامد علی خاں صاحب حامد شاہ آبادی نے بھی موزوں کی تھی جو زیب کتاب ہے ۔

این چه بحریست با خلاق تصوف که ازو

هست جاری زعجم تا به عرب چشمه فیض

خامه حامد سرگشته به سال طبعش

فی البدیهه بنوشت ''ای چه عجب چشمۂ فیض ''

۱۳۳۲ھ

''ای چہ عجب چشمہ فیض'' کے الفاظ اورحروف سے۱۳۳۲ء برآمد ہوتی ہے ۔

ان تراجم وشرحوں کے علاوہ اوربھی شرحیں وتراجم شائع ہوئے جن میں مثلاً مولانا اشرف علی تھانوی کی شرح بھی ہے لیکن اکثر ان شرحوں پر تاریخی قطعات درج نہیں ہیں۔ غالباً اس دور کا آخری ترجمہ جومولانا سجادحسین نے کیا ہے اور جو ۱۹۷۶ء مطابق ۱۳۹۶ ھ میں اشاعت کی منزلوں سے گزرا ہے، اس پر خلیق ٹونکی کا پیش کردہ ایک قطعہ تاریخ اشاعت درج کیا گیا ہے، جس کے نثری عنوان سے ۱۹۷۶ء اورنظم سے ۱۳۹۶ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں:

''پیش کنندہ احقر خلیق ٹونکی'' سے عیسوی سال ۱۹۷۶ء برآمد ہوتا ہے تو مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ سے:

دورۂ تهران و ترکی مصر و بغداد و عرب

هو مبارك صاحب عزو شرف به فضل رب

مثنوی کے شارح و فاضل مترجم مرحبا

مولوی سجاد بحر علم صدر شك عرب

- ۱۳۹۶ -ھ

مندرجہ بالا قطعہ کے آخری شعر میں مثنوی کے شارح کی تعریف کرتے ہوئے دوسرے

مصرعہ میں سجاد صاحب کی مبالغہ آمیز تعریفی مصرع ''مولوی سجاد بحر علم صد رشک عرب'' سے ۱۳۹۶ھ سال اشاعت موزوں ہوتی ہے۔

اس مضمون کے آخر میں مولانا روم سے منسوب سال ۲۰۰۷ء سے متاثر ہوکر خود مقالہ نگار نے ایک تاریخ صنعت سنین صوری و معنوی میں موزوں کی تھی۔ مولانا کے سلسلے میں تاریخ گوئی کی یہ روایت بالکل انوکھی ہے غالبًا اتنی تاریخیں کسی بھی فارسی کی نظم یا نثر کی کتاب کے سلسلے میں موزوں نہیں کی گئی ہیں جتنی مولانا روم سے متعلق ملتی ہیں اور خود یونیسکو نے بھی مولانا کی شخصیت اور افکار سے متاثر ہوکر اہل زمانہ پر اس مثنوی کے نکات اور رموز کے انکشاف کے لئے ۲۰۰۷ء کو مولانا سے منسوب کیا تھا۔ جس کے تحت دنیا کے کونے کونے میں مولانا پر سیمینار بھی منعقد ہوئے اور مقالے بھی شائع کیے گئے، خود راقم نے صنعت سنین صوری و معنوی میں مندرجہ ذیل تاریخ موزوں کی۔ از نتیجہ فکر عراق رضا زیدی سیتھلی:

جستجوی زندگی خواهی اگر با شادکام

فکر رومی عام کن از امرکه تا هند خاك

گفت زیدی در فن تاریخ این دو آتشه

دو هزار و هفت سال روم یونسکو دراك

۱٤۲۸ ھ

اس قطعہ کے آخری مصرع سے صوتی تاریخ ۲۰۰۷ء اور معنوی تاریخ ۱۴۲۸ھ بر آمد ہوتی ہے، اور یہی مقالہ نگار کی روح رومی کی خدمت میں سوغات اور خراج عقیدت ہے۔